ابراہیم طوقان فلسطین کے ممتاز انقلابی شاعر

دوسری اور آخری قسط

حقانی القاسمی - ۶۹ حبیب ہال مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ابراہیم کچھ دنوں تک نابلس کے دائرۃ ابلدیہ میں بھی رہے، القدس کے نشریاتی ادارے کے صیغہ عربی سے بھی وابستگی رہی۔ اور عراق وزارت تعلیم کے تحت بغداد کے ایک دیہی علاقے "الرسمیتہ" میں تدریسی خدمت بھی انجام دی۔ آخر میں طبیعت ناساز ہوئی۔ نابلس لوٹ کر آئے، القدس کے فرانسیسی شفاخانے میں داخل کرائے گئے جہاں ٹائیفائڈ کی وجہ سے ۱۹۴۱ء میں وہ انتقال فرماگئے۔

طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر وسخن سے انہیں عملی دلچسپی تھی اور قدرت نے فطری ذوق بھی ودیعت کیا تھا اس لیے انہوں نے ڈھیر ساری غزلیں لکھیں اور شہرت ومقبولیت حاصل کی۔ دراصل اس غزل کے پس پردہ وہ تیر نیم کش تھا جس نے خلش میں لذت بڑھادی تھی یہ سچ ہے کہ انہوں نے محبت کی اور اپنے جذبات وکیفیات کو غزلوں میں ڈھال دیا۔ یہ وہی غزلیں ہیں جو خوبصورت پیکر تراشی بھی کرتی ہیں، ابراہیم کے درون خانہ دل کے راز بھی کھولتی ہیں۔ نشے میں چور خمار آلودہ آنکھوں کی کیفیات بتاتی ہیں تو کبھی دبے پاؤں قرب جاناں کی لذت وسرشاری کی کیفیت بتاتی ہیں۔ مگر رسم تہذیب عاشقی کا اس قدر پاس ہے کہ گستاخی کی جرأت نہیں ہوتی۔ قربتوں کے باوجود ایک فاصلہ سا رہتا ہے جو محبت کو تقدس عطا کرتا ہے۔ آوارگی ہے مگر سلیقے کے ساتھ۔ آداب محبت کا خیال ہے کہ آنکھوں کے ذریعے دل میں اترتے ہیں اور اپنی ساری داستان سناجاتے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابراہیم

کا عشق معہود ذہنی نہیں بلکہ خارجی ہے۔ ان کی معشوقائیں خیالی دنیا کی نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ہیں جن کے وجود سے کائنات میں رنگ ہے وہ عشق کی پُرخار راہوں سے گذرے ہیں اور ان کے پاؤں نبردِ عشق میں زخمی بھی ہیں اس لیے بڑی ہی نرمی اور ملائمت کے ساتھ کہتے ہیں۔

ماکنت ارغب ان اسمی قاسیا — فانفر الاحلام من عینیها
والشوق یدفعنی الی ایقاظها — ویدی تحاذر ان تمد الیها
وکانما شعر الرقاد بنعمة — فاقام غیر مفارق جفنیها
ویل لقلبی، کیف لم یفتک به — مرای تقلبها علی جنبیها
وتنهدت ماتکن ضلوعها — یاشوق ویحک لا تزع نهدیها
حبی جوی انی نظرت لشعرها — ینکب مرتشفا ندی خدیها

("حیرة")

____ "میں اس قدر پتھر دل نہیں کہ اس کی آنکھوں سے خوابوں کو دور کر دوں گا، اگرچہ میرا شوق اسے بیدار کرنے کے لیے مجھے اکساتا ہے مگر میرے ہاتھ اس تک پہونچنے سے پہلے ہی رک جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ خود نیند کو بھی اس کی آنکھوں میں مزہ آرہا ہے اس لیے وہ پلکوں پر بسیرا کیے ہوئے ہے، ہائے میرا دل پہلوؤں پہ اسے کروٹیں بدلتے دیکھ کر ٹوٹ جائے وہ اپنے دل میں چھپی ہوئی بات کو تیز سانسوں کے ذریعے ظاہر کر دیتی ہے۔ ہائے میری آرزو اس کے سینے کو خود سے آگاہ نہ کرو کہ یہ منظر میرے لئے تکلیف دہ ہے کہ میں اس کی زلفوں کو رخسار پر بکھرا ہوا دیکھتا ہوں جو نرم و نازک رخسار کا بوسہ لیتے ہیں ____"

" وقوفی عند شباکی" اور " فی المکتبة" ان کی غزلیہ شاعری کے عمدہ نمونے ہیں مگر اصل شعری کردار ان قصیدوں اور غزلوں میں جھلکتا ہے جس میں انہوں نے قضیہ فلسطین پر روشنی ڈالی ہے۔ قیام اسرائیل کے عظیم سانحے سے سات سال قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا پھر بھی انہوں نے جس شاعرانہ فراست کا ثبوت دیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فلسطین کی مجموعی صورت حال پر ان کی

تقلراتنی گہری تھی کہ وہ خوف اور اندیشہ بہت پہلے محسوس کرلیا جو سات سال کے بعد حقیقت کے بھیانک روپ میں سامنے آیا۔ خطرے کے قبل از وقت ادراک کا نام مسعودی کی تعبیر میں "اشراف علی درایة الغائبات قبل ورودها" ہے ابراہیم بہت پہلے ہی سے وہاں کے لوگوں کو عرب دشمنوں کے عزائم سے باخبر کرتے رہے اور یہ احساس دلاتے رہے کہ ہجرت

اس قوم کا مقدر بن چکی ہے:

یا قوم لیس عدوکم ممن یلین و یرحم
یا قوم لیس امامکم الا الجلاء مخیرا

("یاقوم" ۱۹۳۵ء)

"اے میری قوم، تمہارے دشمن نرم اور رحمدل نہیں ہیں، اب تمہارے سامنے صرف ہجرت ہے سوائے میری قوم اس کے لئے تیار ہو جاؤ"

اورانہوں نے یہ بھی پیشین گوئی کی:

امامك ایها العربی یوم نشیب لهوله سود النواصی
خلا رحب القصور غدا بباق لساکنها ولا ضیق الخصاص

("مناہج" ۱۹۳۵ء)

"اے عرب قوم وہ خوفناک دن آنے والا ہے جس کی ہولناکی سے سیاہ بادل سفید ہو جائیں گے اور وہاں کے باشندوں کے لیے نہ تو عالی شان عمارتیں ہوں گی اور نہ ہی تنگ جھونپڑیاں"

برطانوی استعمار اور اسرائیلی سامراج کے خلاف ابراہیم نے کھل کر لکھا اور انسانی لبادے میں چھپے ان کالے بھیڑیوں کا یوں تمسخر اڑایا:

قد شهدنا لعهدکم بالعدالة وختمنا لجندکم بالبسالة
قد عرفنا بکم صدیقا وفیا کیف ننسی انتدابه واحتلاله
وخجلنا من لطفکم یوم قلتم وعد بلفور نافذ لا محالة
کل افضالکم علی الراس والعین ولیست فی حاجة لدلالة

ولئن ساء حالنا فکفانا　　انکم عندنا باحسن حالة

(ایہا الملأ قدویا، ۱۹۳۵ء)

"ہم تمہارے انصاف کے گواہ ہیں اور تمہارے فوجیوں کی بہادری کا بھی اعتراف ہے۔ تمہاری پُرخلوص دوستی کا بھی ہمیں تجربہ ہے۔ تمہارے قبضے اور انتداب کو ہم کیونکر بھول سکتے ہیں۔ تمہاری مہربانی سے تو ہم اس دن شرمسار ہوئے تھے جب اعلان بالفور کے نفاذ کا حتمی اعلان کیا تھا۔ تمہارے احسانات و عنایات تا سر آنکھوں پر، اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں، اگر ہم خستہ حال ہیں تو کیا بُرا ہے تم تو اچھی زندگی بسر کر رہے ہو۔"

یہی نہیں بلکہ جیمز بالفور جس کے اعلانیہ نے پوری فلسطینی قوم کی تقدیر میں سیاہی انڈیل دی تھی اس کی ناعاقبت اندیشیوں کی طرف یوں توجہ دلائی کہ:

بلفور کاسك من دم الشهداء لا ماء العنب
لا یخدعنك انها راقت وکللها الحبب!
حبابها الارواح قد وثبت الیك کما وثب

(البلد الکئیب، ۱۹۲۹ء)

"بالفور! تمہارے گلاس میں شراب نہیں، شہید کا خون ہے، اس دھوکے میں نہ رہنا کہ اس میں جھاگ ہے بلکہ یہاں شہیدوں کی روحیں ہیں جو تمہاری طرف بڑھ رہی ہیں۔"

ابراہیم نے عرب کے دو حلیف دشمنوں کی عیاریوں اور مکاریوں سے پردہ اٹھایا جن کی منظم سازشوں نے فلسطینیوں کو خانماں برباد کر دیا۔ فلسطینیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے ... ان دو طاقتوں ا برطانیہ اور صہیونیوں کے اتحاد و مقصد پر طنز کرتے ہوئے

"و ... دول وطول　　واصر ذو اعقا ...
کرداران قه　　توانو ... فان د ... لا　　واذلاله ...
... لا ... و ... ات　　و بالحسنی ...

(مناهج ۱۹۳۵ء)

... ایک لا ... اور دوسرا فریبی وموقع پرست ...

دوستی کے ذریعے ہمارے مقدر میں ذلت و رسوائی لکھ دی ہے، ہمارے استیصال کا منصوبہ دونوں نے بہت ہی منظم طریقے سے بنایا ہے، کبھی طاقت کے زور سے تو کبھی شرافت سے۔"

ابراہیم کے طنز و تمسخر کا نشانہ صرف برطانوی اور صہیونی سامراجی درندے ہی نہ بنے بلکہ عرب زعماء و قائدین کو بھی انہوں نے آڑے ہاتھوں لیا جن کی خود غرضانہ مفادات اور باہمی انتشار و افتراق نے ان دونوں دشمن طاقتوں کے لئے راہیں آسان کر دیں اور بغیر کسی خاص مشقت کے انہوں نے وہ سب کچھ پالیا جس کا خواب وہ مدتوں سے دیکھ رہے تھے اور عذاب در بدری سے گذار دیا اس قوم کے فرزندوں کو جو صدیوں سے وہاں کی مٹی میں اپنی پہچان بنائے ہوئے تھے اور وہ مٹی ان سے چھین لی گئی۔ ابراہیم کے وقت صورت حال کچھ بہتر تھی، تھوڑی سی زمین ان کے حصے میں تو تھی مگر عرب قائدین کے رویے سے صاف ظاہر تھا کہ یہ ٹکڑا بھی ان سے چھین لیا جائے گا اس لیے ان کے جمود و تعطل پر گہرا طنز کرتے ہوئے کہا:

انتم المخلصون للوطنية	انتم الحاملون عبء القضية
و بيان منكم يعادل جيشا	بمعداف زحفة الحربية
واجتماع منكم يرد علينا	غابر المجد من فتوح امية
ماجحدنا افضالكم غيراننا	لم تزل في نفوسنا امنية
في يدينا بقية من بلاد	فاستريحوا كي لا تطير البقية

("انتم")

"آپ لوگ وطن کے مخلص وفادار ہیں، آپ ہی لوگوں نے فلسطینی کاز کی ذمہ داری سنبھالی ہے، آپ لوگوں کا تو ایک بیان ہی مستعد اور تیار فوج کے مساوی ہے اور آپ لوگوں کی تو ایک کانفرنس فتوحات کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے کافی ہے ہم آپ کی خدمات کے منکر نہیں پھر بھی ایک خواہش باقی ہے کہ ہمارے ملک کا چھوٹا سا حصہ جو ہمارے پاس ہے وہ ہم سے نہ چھن جائے آپ لوگ تھوڑا سا آرام کر لیجئے۔"

انہوں نے عرب قائدین کے دوغلے کردار کی تصویر عوام کے سامنے پیش کی اور قوم کو متنبہ کیا استعماری قوتوں کے آلۂ کار ہیں یہ تو صرف تنعم و تعیش کے لیے اہل وطن کو ورغلاتے ہیں ان

کا تو اصل مقصد استعماری طاقتوں کو کمک پہنچانا ہے:

اما سماسرة البلاد فعصبة — عار علی اهل البلاد بقاؤها
یتنعمون مکرمین کانما — لنعیمها عم البلاد شقاؤها
ابلیس اعلن صاغرا افلاسه — لما تحقق عنده اغراؤها

(السماسرة، ۱۹۳۵)

"یہ ملک کے عوام کے لئے انتہائی ذلت کی بات ہے کہ غداروں کی ایک جماعت ابھی تک باقی ہے، جو عیش وعشرت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ان ہی کے تنعم کے لئے عوام کو تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، کمال تو یہ ہے کہ شیطان نے بھی اپنے دیوالیے پن کا اعلان کر دیا جب اسے ان کی چکنی اور پر فریب باتوں کا پتہ چلا"

فلسطین کے انجام سے خوف زدہ ابراہیم نے جب عرب قائدین کے رویے، اہل وطن کے حرص وطمع، عیش وعشرت میں پناہ ڈھونڈھنے والی ذہنیت دیکھی اور یہ محسوس کیا کہ جس سادگی اور بے خوفی کے ساتھ فلسطین کے عوام یہودیوں کے ہاتھوں اپنی زمینیں فروخت کر رہے ہیں اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ لوگ اپنے وطن سے ایک دن ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور زمین کے ایک ایک ٹکڑے کو ترسیں گے۔ ان کے اس عمل سے یہودیوں کے قومی وطن کے حصول کی راہ میں جو دقتیں اور موانع ہیں وہ دور ہو جائیں گی۔ اس لئے ابراہیم نے فلسطینی عوام کو یہ حقیقت بتائی کہ تھوڑی سی عافیت آنے والے کل میں عذاب جان بن جائے گی، اپنی زمین پر زندہ رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ انہوں نے قوم کو متنبہ کرتے ہوئے زمین کی فروخت بند کر دینے کے لئے کہا:

هیهات ذلک ان فی — بیع الثری فقد الثراء
فیه الرحیل عن الربوع — غدا الی وادی الفناء
فالیوم امرح کاسیا — وغدا سانبذ بالعراء

(فلسطین مهد الشقاء، ۱۹۳۴)

"ہوشیار! زمین بیچنے سے غریبی آئے گی اور یہ چمن سے فنا کی گھاٹیوں تک لے جائے گی اگر آج ہم شان وشوکت کے لباس پہن رہے ہیں تو کل کھلے آسمان کے نیچے برہنہ ہوں گے"

اور یہ صرف زمین بیچتا نہیں ہے بلکہ یہودیوں کے ہاتھوں اپنے وطن کو فروخت کرتا ہے اس لئے ایسے لوگوں پر شدید برہمی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ حقیقت یاد دلائی۔

باعوا البلاد الی اعدائهم طمعا   بالمال لکنما اوطانهم باعوا

"مال کے لالچ میں انہوں نے اپنے ملک کو ہی نہیں اپنے وطن کو بھی بیچ ڈالا ہے۔"

ابراہیم کی مجاہدانہ روح نے ان کے سامنے آفاق کی پیچیدگیاں کھول دیں اور فلسطین کے اس مجاہد نے روزن مستقبل میں جھانک کر دیکھا تو اپنی قوم کی تباہی و بربادی کی سازشیں عیاں ہو گئیں اس لئے ابنا وطن پر انہوں نے یہ زور دیا کہ مغربی تہذیب و تمدن نے دو عالمی جنگوں کے درمیان روحانی اقدار کو پامال کر کے جن مزاحمتی قوتوں کو ختم کیا ہے انہیں دوبارہ سرگرم عمل لایا جائے اور وطن کے تحفظ کی خاطر جہاد و مزاحمت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس جذبے کے احیاء کی خاطر "فدائین" کے بہادرانہ کارناموں اور شجاعتی جذبات کو یوں سراہا:

صامت لو تکلما   لفظ النار والدما

هو بالباب واقف   والردی منه خائف

فاهدئی یا عواصف   خجلا من جراته

("الفدائی" ۱۹۳۰)

"کبھی خاموش مگر جب بولتا ہے تو اس کے الفاظ خون اور آگ میں بدل جاتے ہیں، وہ دروازے پر کھڑا ہے اور موت اس سے خوف زدہ ہے۔ اس کی بہادری کو دیکھ کر آندھیاں بھی شرم سے دھیمی ہو گئی ہیں۔"

اسی طرح انہوں نے ایک ایسے جانباز کی بہادری کی تصویر کھینچی ہے مرتے وقت جس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے:

ای وجه تهللا   یرد الموت مقبلا

صعد الروح مرسلا   لحنه ینشد الملا

انا لله والوطن

وہ ہائے وہ چہرہ موت کو سامنے آتے دیکھ کر کتنا کھل اٹھا تھا۔ اس کی روح پوری دنیا کو

یہ نغمہ سناتے ہوئے پرواز کر گئی کہ میں نے اللہ اور وطن کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

ابراہیم نے ابنائے فلسطین کے دلوں میں قوت وحرارت پیدا کرنے کے لیے نشید (گیت) لکھے اور عرب کے بہادر سورماؤں کی تعریف کی اور اپنے وطن کی خاطر شہید ہو جانے کے جذبے کو سراہا چنانچہ ۱۷ جون ۱۹۳۰ء میں جب تین عرب نوجوانوں کو برطانوی حکومت نے موت کی سزا دی تو انھوں نے تینوں شہیدان وطن (فواد حجازی، محمد جمجوم، عطا الزیر) کے جذبے کو سلام عقیدت پیش کیا۔ ان لوگوں کی شہادت کے دس دن بعد نابلس کے "مدرسۃ النجاح" کے ایک سالانہ جلسے میں "الثلاثاء الحمراء" کے عنوان سے وہ پُر اثر قصیدہ سنایا کہ حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور جب وہ ہال سے باہر آئے تو ان کے جذبات مشتعل اور برافروختہ تھے۔ اس قصیدے میں اتنی شدت تھی کہ لوگوں نے کہا کہ اگر ابراہیم نے یہ قصیدہ کسی ایسے شہر میں سنایا ہوتا جہاں یہودی بھی بستے ہوں تو ان کا انجام بخیر نہ ہوتا۔

"ملائکۃ الرحمۃ"، "الجانی الذبیح"، "الشاعر المعلم" اور "الرد علی شاعر الیہود" فنی اور فکری اعتبار سے ابراہیم کے اچھے قصائد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آخر الذکر میں ابراہیم نے ایک یہودی شاعر کے طنز و تحقیر کا جواب دیتے ہوئے یہودی قوم کی نفسیات، گوسالہ پرستی اور زر پرستی پر گہری چوٹ کی ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یوسف باعہ ابوکم یہودا ۔۔۔ ان حب الدنیا فیکم قدیم

شکبیر خالد القول فیکم ۔۔۔ امر (شیلوخ) فی الوری معلوم

غیر ان الذین منکم تکبیر ۔۔۔ تناسوا ما قال ذالک العظیم

"تمہارے باپ یہودا نے یوسف کو بیچ دیا کہ تم لوگوں میں دینار کی محبت بہت پرانی ہے شکسپیر نے تم لوگوں کے بارے میں لازوال بات کہی ہے اور شائلاک کے بارے میں تمام لوگوں کو معلوم ہے مگر وہ لوگ جو تمہاری قوم میں شکسپیر کی طرح ہیں، اس عظیم شخص کی کہی ہوئی بات بھول گئے۔"

اس میں ابراہیم نے انگریزی کے مشہور ادیب ولیم شکسپیر کے ڈرامے

(The Merchant of Venice) کے مشہور بدنام یہودی کردار شائلاک کی طرف اشارہ کیا ہے جو خود سوزی میں اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔

ابراہیم کی شاعری میں خلوص ہے، جذباتی صداقت ہے اور نثر سے قریب تر ہے اس لیے سہل ممتنع کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ عرب کے ایک ناقد عبدالحمید یاسین نے انکی شاعری کی پانچ بنیادی خصوصیات بتائی ہیں (۱) لفظیات کا خوبصورت انتخاب (۲) وزن و قافیے کی موسیقیت و ہم آہنگی (۳) احساس و شعور کی بے ساختگی (۴) افق خیال کی بلندی (۵) جذبہ دروں بینی ـــــ ادب کے بنیادی سرچشموں خاص طور پر قرآن کریم کا گہرا مطالعہ انہوں نے کیا ہے، زبان کی صیقل کے لئے قرآن کی تلاوت کی ہے۔ کتاب الاغانی کو کثرت سے پڑھا ہے اور قدیم و جدید ادبی شاہکار ان کے زیر مطالعہ رہے ہیں۔ اس لئے لفظیات کے عمدہ انتخاب میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ آہنگ و موسیقیت سے ان کی شاعری بھرپور رہی ہے۔ اس لئے عام قاری کو بھی ان کی شاعری میں لطف ملتا ہے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ابراہیم بنیادی طور پر وجدانی شاعر ہیں عالم غیب سے مضامین خیال میں آتے ہیں، ان کے ہاں آورد نہیں آمد ہے اس لئے انہیں رات بھر جاگنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی بلکہ کسی داخلی یا خارجی محرک نے للکارا تو شعر کا نزول شروع ہو گیا، اس طرح احساس و شعور کی بے ساختگی ان کی شاعری میں پائی جاتی ہے۔ خیال و فکر میں وسعت و رفعت ہے جو ان کی فنی عظمت کی واضح دلیل ہے اور جہاں تک جذبے کی بات ہے ان کی شاعری اس سے مملو دکھائی دیتی ہے۔

اسلوب بھی ابراہیم کا ایسا ہے کہ ہئیت پر مرکوز نہیں بلکہ اس میں تنوع اور کثرت ہے نہ کسی خاص اسلوب میں خود کو قید کیا، نہ کسی مخصوص ادبی دبستان سے انکی وابستگی رہی اور نہ ہی کسی ادبی نظریے کے حصار میں اپنے آپ کو بند رکھا۔ آنکھیں ہمیشہ کھلی رہیں ذہن کے دریچے وا رکھے، فکر و فن کی تازہ ہوائیں اس کے اندر آتی جاتی رہیں، طربیہ المیہ اور طنزیہ تینوں نے ایک ساتھ مل کر ان کے شعری تخیلات کو نئی شکل دی جو ان کے سوا مرف

ایمیل حبیبی کے ہاں ملتی ہے۔ وہ آزادی کے ساتھ شعر کی مختلف راہوں میں گامزن رہے، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اندلسی موشحات نے جکڑ لیا اور آگے کا راستہ خود مطالعے اور مشاہدے سے طے کرتے گئے معاصر انسانی کرب والم سے آگہی نے لہجے کو کرختگی اور تیوروں کو تیکھا پن دیا۔ ان کے ذریعے فلسطینی شاعری نئے رویے، نئے انداز اور تازہ جہان تخیل سے روشناس ہوئی۔ اس طرح ان کی شاعری شعور عصر کی تخلیقی باز یافت کا ایک عمل بن گئی۔ ناقدین کہتے ہیں کہ ابراہیم، شیلی (SHELLY) کیٹس (KEATS) کولرج (COLERIDGE) اور بائرن (BYRON) سے متاثر ہیں۔ ان کے دھنک رنگ لہجے، عصریت اور بلند افکار و خیالات نے فلسطینی مزاحمتی شاعروں کے زمرے میں وہ مقام عطا کیا کہ اس کے "بانی شاعر" کہلائے اور ممتاز ادیبہ و ناقدہ سلمیٰ الخضرا الجیوسی نے اعترافیہ یوں لکھا:

"ابراہیم طوقان کا شعری تجربہ دراصل فلسطین میں کلاسیکی فریم ورک کی شاعری کو نئی تشکیلی صورت میں پیش کرتا ہے، انہوں نے قدیم اشیاء کی واقعیت اور حقیقت پسندانہ نمائندگی کی ہے۔ مختصر محاورات، مستحکم اور مختصر الفاظ کا استعمال کیا ہے لیکن اس کی روح جدید ہے۔"

ختم شد

بقیہ: نظرات

کو بڑا دعویٰ تھا کہ اسکے ساتھ نظم و ضبط ضرب المثل ہے اور اسی واسطے وہ ملک کی حکومت کی عنان سنبھالنے کی حقدار ہے مگر اس کا یہ دعویٰ و بھرم کس قدر جلد چکنا چور ہو کر رہ گیا نظم و ضبط (ڈسپلن) کا حال تو ساری ہی پارٹیوں سے گرا ہوا نکلا، دھرم کے نام پر جنون کرنے والے ڈھونگی اپنی ہی بچھائی ہوئی بساط پر مار کھاتے ہیں۔ یہ بات قصے کہانیوں میں تو مگر اپنی آنکھوں سے زندہ و عملی صورت میں خود دیکھنے کو خوب مل گئی۔۔۔